Ost\Alser

پروفیسر سید محمد سلیم☆

سیرتِ طیبہ اور فنونِ لطیفہ

یونانیوں نے سخت غلطی کی کہ انسان کی تعریف صرف حیوان ناطق سے کی۔ انہوں نے علم وفکر کے قافلے کو غلط راستے پر ڈال دیا۔ آج تک بھی اسے سیدھی راہ نہ مل سکی۔ اس سے بڑی غلطی مسلمان حکماء اور مفکرین نے کی کہ انہوں نے اہلِ یونان کی تعریف کو جوں کا توں قبول کرلیا۔ زیادہ افسوس ان کے حال پر اس وجہ سے ہے کہ ان کے سامنے قرآن مجید موجود تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

> اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىہُ وَنَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ۝ (۱)
>
> اس نے انسانی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے، پھر اسے نیک شک سے درست کیا، اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے، مگر تم کم ہی شکرگزار ہوتے ہو۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ انسان کا جسم ضرور مٹی سے بنایا گیا ہے۔ پھر اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونک دی۔ اس کو نئی مخلوق میں تبدیل کردیا۔ آنکھ، کان، دل دے کر اس کو دانا وبینا بنا دیا۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے!

☆۔ ریسرچ ڈائریکٹر، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور

osIAlser

إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَہ ط (۲)

میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

پھر اس انسان کے اندر خیر وشر کا فطری احساس ودیعت فرمایا!

وَنَفْس وَمَا سَوّٰهَا ○ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقْوٰهَا ○ (۳)

قسم ہے نفس انسانی کی، اور اس ذات کی جس نے اسے پیدا کیا۔ پھر
اس کی بدی اور پرہیزگاری کا اس پر الہام کر دیا۔

اس خلیفہ کو زمین وآسمان کی قوتوں پر تصرف کا حق عطا کیا۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب کو انسان کے لئے مسخر کر دیا۔ وہ ہستی جو صاحب روح ہے، جو خیر وشر کے شعور کی حامل ہے، جو کائنات میں اختیار و تصرف کی مالک ہے، زمین وآسمان کی قوتیں جس کے زیر تصرف ہیں، اس کو محض حیوان ناطق کہنا کس قدر فکر وفہم کی کجی اور زیغ ہے اور مسلمانوں نے اس دعویٰ کو قبول کر لیا۔ انہوں نے کس قدر فاش غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی حقیقت روحانی ہے، یہ مادی جسم اس کو کار برآری کے لئے بطور آلہ عطا ہوا ہے۔ مادی جسم تو لوگوں کو نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی روحانی حقیقت نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

علم ہدایت تو حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر ملا ہے۔ بعد میں بھی انبیاء کرامؑ کے ذریعہ وحی کے ذریعہ ہدایت نسل انسانی کو ملتی رہی۔ ازل میں دنیا میں آنے سے قبل حضرت آدم علیہ السلام کو حسی اور قیاسی علم عطا ہوا، جس کا معنیٰ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا (۴) کی مشہور آیت میں بیان کیا گیا۔ اس لئے بنی آدم حسی وقیاسی علم سے بہرہ ور ہے۔ یہ علم طبعاً اس کو حاصل ہے۔ دوسرا علم جلوۂ حقیقت کبریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے!

وَ إِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ ج أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ج قَالُوا بَلَىٰ ج
شَهِدْنَآ ج أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا
غَٰفِلِينَ ○ (۵)

os\Alser

اور (اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت) جب کہ تمہارے رب نے
بنی آدم کی پشتوں میں سے ان کی نسلوں کو نکالا تھا، اورانہیں ان کے
اوپر گواہ ٹھہراتے ہوئے پوچھا تھا، ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟''
انہوں نے کہا تھا، ضرور آپ ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی
دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ
ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔

اس آیت میں دوسری اہم حقیقتوں کے علاوہ یہ حقیقت واضح انداز میں بیان کی گئی ہے کہ روزِ ازل نسلِ انسانی کے ایک ایک فرد نے جمالِ حق کا جلوہ دیکھ لیا ہے۔ حقیقتِ کبریٰ کا جلوۂ حق، اس کا پرتو فطرتِ انسانی کے نہاں خانہ میں گویا منعکس موجود ہے۔ ہر انسان کے اندر طبعًا پیدائشی طور پر ایک ایسا جذبہ موجود ہے جو اس کو تلاشِ حق، حقیقت رسی اور حق پرستی پر ابھارتا رہتا ہے۔ اس اندرونی جذبے کے زیرِ اثر ہر فرد بشر اپنی بساط کے مطابق اور اپنے ذہنی اور فکری ماحول کی اجازت کے ساتھ تلاشِ حق میں کوشاں رہتا ہے۔ کبھی خارجی ماحول طبعی استعداد کو ابھرنے اور فروغ پانے کا موقع دے دیتا ہے تو یہ برگ و بار لے آتا ہے اور جب خارجی ماحول معاندا ور مخالف ہوتا ہے تو یہ جذبہ مضمحل ہو جاتا ہے۔ مرتا کبھی نہیں۔ ہر فرد حقیقت کا متلاشی رہتا ہے، خواہ حقیقت کی صحیح فہم اور شناخت اس کو حاصل ہو یا نہ ہو۔

علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت انداز میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔

از روز گار خویش نہ دانم جز ایں قدر
خوابم نہ یاد رفتہ و تعبیرم آرزو است

اس معاملے میں نوعِ انسانی کی مثال اس روایتی کہانی سے مشابہت رکھتی ہے جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شاہزادے نے خواب میں کسی حسین و جمیل دوشیزہ کا جلوہ دیکھ لیا۔ خواب میں ہی وہ اس حور جمال اور پری تمثال کو اپنا دل دے بیٹھا۔ حکومت و سلطنت کا سارا کاروبار چھوڑ کر وہ اس دوشیزہ کے عشق میں گھر سے نکل کھڑا ہوا، قریہ قریہ دشت و بیاباں وہ اس کی تلاش میں

os\Alser

مارا مارا پھرتا رہا۔تلاش حقیقت کی چبھن اور لگن میں نوع انسانی کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ازل میں جو جلوہ انسان نے دیکھ لیا ہے۔اب اس کی جستجو اس کو مضطرب رکھتی ہے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

علم الاسماء یعنیٰ ہے حسی اور قیاسی علم کا۔اس کا موضوع واقعات اور حوادث کی مادی اور طبعی دنیا ہے۔کائنات ہے۔احساس وادراک، تفکر وتدبر سب اسی عقل کے مظاہرات ہیں۔زندگی کے تمام معاملات اس عقل کے وسیلے سے طے پاتے ہیں۔یہ حواس کی فراہم کردہ معلومات کا تجزیہ کرتی ہے، تحلیل کرتی ہے۔ان سے عمومی نتائج اخذ کرتی ہے۔پھر ان اجزاء کو جوڑ کر نئی شکلیں بناتی ہے، نیا علم حاصل کرتی ہے، اس نے مادی ماحول کو مسخر کیا ہے، جس کی وجہ سے آج انسان ہوا میں اڑ رہا ہے، پانی میں تیر رہا ہے، پہاڑوں کے دل چیر رہا ہے، دنیا کی موجودہ بہار عقل استدلالی کی لائی ہوئی ہے۔ہر جگہ عقل استدلالی کی حکمرانی ہے۔اس کی نارسائی اور محدودیت کا ذکر کرنا اس وقت ہمارے دائرہ کار سے خارج ہے۔

دوسری عقل جس کو حاسہ مذہبی یا عقل ملکی یا عقل وجدانی کہتے ہیں۔اس کا رخ خارجی دنیا کی بجائے عالمِ مثال کی طرف ہے۔اس کی تگ و دو تسخیر مادہ کے بجائے تقرب حقیقت ہے۔ایک کا دائرہ کار ''کیا ہے'' سے متعلق ہے دوسری کا دائرہ کار ''کیا ہونا چاہئے'' سے متعلق ہے۔یعنیٰ دونوں عقلوں کا روز ازل سے قسامِ ازل نے فطرتِ انسانی میں ودیعت کر دیا ہے۔انسان بحیثیت نوع کے صرف ان امور میں دلچسپی لیتا ہے اور سرگرمی دکھاتا ہے، جس کا داعیہ اس کی فطرت میں موجود ہے۔انسان اپنی دونوں عقلوں کا ہر دور میں اور ہر مکان میں مظاہرہ کرتا رہا ہے۔

عقلِ وجدانی (تصرف) یا عقل کلی (فلسفہ) کا رخ دل کی باطنی دنیا کی طرف ہوتا ہے۔عقل تخلیقی جذبہ اندروں کا ظہور چاہتی ہے۔وہ باطن کے تصورات کے تحت خارجی دنیا کی تزئین کرنا چاہتی ہے، اسے حسین وجمیل بنانا چاہتی ہے۔عقل استدلالی مسخر کرنا چاہتی ہے۔

ایک دانش نورانی، ایک دانش برہانی

ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

عقلِ وجدانی ہو یا عقلِ استدلالی دونوں کی آبیاری اس عالمِ رنگ وبو میں ہوتی ہے۔ یہیں وہ اپنے مدارجِ عالیہ طے کرتی ہیں۔ البتہ نقطۂ نظر کا فرق ہے اور وہی سب سے اہم ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

آدمی دیداست باقی پوست است
دیدآں باشد کہ دید دوست است

چمن میں گلاب مہک رہا ہے۔ ایک عقل اس پر نگاہ ڈالتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کا گلقند بہت اچھا تیار ہوگا۔ دوسری عقل اس پر نگاہ ڈالتی ہے اور کہتی ہے اس کی رعنائی ونزاکت قابلِ دید ہے ؎

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر است معرفت کردگار

انسان حیوانی کی طلب شہوتِ شکم وشہوتِ جنس ہے۔ انسانِ عقلی (تجزیاتی) کی طلب جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت ہے۔ لیکن انسانِ حقیقی کی طلب تقربِ ذاتِ حق اور عرفانِ حق ہے۔

کچھ لوگ انسان کے اندر حیوان کو ترقی دیتے ہیں۔ وہ گاما پہلوان بن جاتے ہیں۔ محمد علی کلے بن جاتے ہیں۔ کچھ لوگ عقلِ استدلالی کو ترقی دیتے ہیں وہ ابن سینا اور فخر الدین رازی بن جاتے ہیں۔ کچھ لوگ عقلِ وجدانی کو ترقی دیتے ہیں وہ محی الدین ابن عربی اور جلال الدین رومی بن جاتے ہیں۔

قرآن مجید صدہا آیات میں انسان کو دعوت دیتا ہے کہ مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت پر غور وخوض کرے۔ وہ عقل استدلالی کی بھی پرورش کرنا چاہتا ہے اور عقل وجدانی کی بھی آبیاری کرنا چاہتا ہے۔ وہ بار بار غور وفکر، تدبر وتفکر کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اگر انسان غور وفکر شروع کردے تو وہ چند مراحل سے گزرتا ہے۔

سب سے پہلے انسان کے اندر ذوقِ تجسس اور ذوقِ آگہی بیدار ہوتا ہے۔ یہ انسان کا شعورآگہی ہے۔ ذوقِ آگہی مزید ترقی کرکے اشیاء کے خواص معلوم کرتا ہے۔ ان کے منافع وفوائد،

مضرات ونقصانات سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ یہاں انسان اشیاء کے فوائد اور نقصانات معلوم کرلیتا ہے۔ یہ انسان کا شعور افادی ہے سائنسی علوم کی ساری جدوجہد شعور آگہی اور شعور افادی کے تحت آتی ہے۔

جدید دور میں سائنس نے غیر معمولی وسعت اور اہمیت حاصل کرلی ہے، ورنہ اول روز سے انسان یہ جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔ جس نے کلہاڑی ایجاد کی تھی یا گاڑی کا پہیا ایجاد کیا تھا، کیا وہ بڑے سائنس داں اور موجد نہیں تھے؟

مظاہر قدرت اور مناظر فطرت میں قرآن مجید خاص طور پر حسن و جمال کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے، شعور جمال کو بیدار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ (۲)

کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اسے بنایا اور آراستہ کیا، اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں ہم نے پہاڑ جمائے اور اس میں ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں۔ یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں۔ اس بندے کے لئے جو رجوع کرنے والا ہو۔

آخری آیت کی تشریح میں مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن میں لکھتے ہیں۔

یہ دنیا اپنی بقا کے لئے، ان تمام رنگینیوں اور گل کاریوں کی محتاج نہیں تھی، جو اس کے ہر گوشے میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ لیکن قدرت نے اس فیاضی کے ساتھ اس کے اندر اپنی شانیں جو دکھائی ہیں تو اس

لئے دکھائی ہیں کہ انسان کی وہ حسِ لطیف جو قدرت، حکمت، حسن اور فیض و کرم سے اثر پذیر اور بیدار رہوتی ہے، وہ بیدار رہے، اور اس چمن کے ایک ایک پتے پر جو درسِ حکمت ثبت ہیں، وہ ان کو دیکھے اور سمجھے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ خالق نے ہر انسان کے اندر توجہ الی اللہ اور انابت الی اللہ کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، وہ اس کو بروئے کار لائے۔(۷)

ایک دوسری آیت میں کامیاب مومنین کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے قرآن کہتا ہے!

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۚ ۝
وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۙ ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى
الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۚ ۝
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَيُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۙ ۝
قَوَارِيْرَا ۚ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا
كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى
سَلْسَبِيْلًا ۝ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ
اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ
نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ
وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ
شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ
مَّشْكُوْرًا ۝ ۧ (۸)

انہیں تازگی اور سرور بخشے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت

بھی اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی، نہ جاڑے کی ٹھنڈک، جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی۔ اور اس کے پھل ہر وقت ان کے بس میں ہوں گے۔ اور ان کے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش کرائے جا رہے ہوں گے۔ شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے۔ ان کو (منتظمین نے) ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہوگا۔ ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی، یہ جنت کا ایک چشمہ ہوگا جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے۔ ان کی خدمت کے لئے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے، جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھیر دیئے گئے ہیں۔ وہاں جدھر بھی نگاہ ڈالو گے نعمتیں ہی نعمتیں، اور ایک بڑی سلطنت کا سروساماں تمہیں نظر آئے گا۔ ان کے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے، ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا۔ یہ ہے تمہاری جزا، اور تمہاری کارگزاری قابل قدر ٹھہری ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت سے فرماتے ہیں۔

ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال (۹)

اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔

اور دوسری روایت میں فرمایا!

ان اللّٰہ طیب یحب الطیب، نظف یحب النظافۃ، کریم یحب الکرم، جواد یحب الجود، فنظفوا افنیتکم ولا

تشبھوا بالیھود (۱۰)

اللہ پاکیزہ ہے پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، صاف ہے صفائی کو پسند کرتا ہے، کریم ہے شرافت کو پسند کرتا ہے، سخی ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، سوتم اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود کی مشابہت اختیار مت کرو۔

مسلمانوں کی تعلیم وتربیت مشکوٰۃ نبوت ﷺ کی روشنی میں ہوئی ہے، ان کا ذہنی قالب مذکور بالا احادیث کی روشنی میں تیار ہوا ہے، جسمانی طور پر جہاں وہ طہارت اور نظافت کا اہتمام کرتے ہیں وہاں ذہنی طور پر تزئین اور تحسینِ اشیاء کا اہتمام کرتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کی انہیں ترغیب دی ہے فرمانِ باری تعالیٰ ہے!

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَ ھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ (۱۱)

واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اس طرح قرآن مجید انسان کے اندر ذوق حسن وجمال پیدا کرتا ہے۔ اس طرح شعور جمالیات بیدار ہوتا ہے۔ مگر ایک شرط ہے کہ ناظر عبد منیب ہو۔ جو راجع الی اللہ ہو۔ جس کی عقل وجدانی بیدار ہو اور توانا ہو۔ جس کی چشم اندروں روشن ہو۔ فنون لطیفہ کی ساری سرگرمی اس ذوقِ حسن وجمال وشعور جمالیات کی رہن منت ہے۔

ایک قدم آگے بڑھ کر انسان خود اس ہستی کا تقرب اور عرفان حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہم خوبی ہم حسن ہم صداقت ہم کمال ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں کوئی خیر وخوبی، کوئی حسن وکمال، کوئی حق وصداقت نظر آتی ہے وہ سب اسی ہستی کے فیضان کا چشمہ ہے جو جاری وساری ہے، رواں دواں ہے۔ اس طرح آخر میں عرفان ذات اور تقرب حقیقت کبریٰ کا شعور بلکہ جاذب، کشش، عشق بیدار ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (۱۲)

جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اللہ سے محبت میں سب سے زیادہ شدید ہیں۔

عقل وجدانی یا حاسہ مذہبی شعورِ آگہی، شعورِ افادی، شعورِ حکمت، شعورِ حسن و کمال سے ارتقائی سفر کرتا ہوا عرفانِ ذات اور تقربِ حقیقت تک پہنچ جاتا ہے اور یہی درحقیقت قرآن مجید کا مقصد ہے۔

عقل وجدانی کا اظہار ہر دم ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ یہ اقدارِ حیات جن سے انسانی زندگی میں رونق ہے۔ یہ سب عقل وجدانی کی فراہم کردہ ہیں۔ حسن و قبح، پسند ناپسند، شرم و حیاء کا انسان اظہار کرتا رہتا ہے۔ یہ سب عقل وجدانی کے مظاہرات ہیں۔ یہ عقل استدلالی کی یافت نہیں ہے۔

نوعِ انسانی کے طویل سفرِ زندگی میں عقل وجدانی کی سرگرمی ہمیشہ جاری رہی ہے کوئی دور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جہاں اس سرگرمی کے مظاہرات نہ ملتے ہوں۔ انسان کا جذبۂ اندروں ہر دم خارج میں حقیقت کبریٰ کا وجود و پرتو دیکھنے کا متلاشی رہتا ہے۔ حسن و کمال کی کوئی جھلک، حق و صداقت کا کوئی مظہر، رفعت و تقدیس کا کوئی ظہور کہیں نظر آ جاتا ہے تو جذبہ اندروں سے مجبور انسان اس کی پرستش کرتا ہے۔ اس کا متوالا بن جاتا ہے۔ اس کی بزرگداشت worship اور تقدیس شروع کر دیتا ہے۔ اس کے اندروں میں مستور مثالی نمونے سے وہ اس کو ہم آہنگ خیال کرتا ہے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اس پر اس جلوے کے نقائص کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔ پھر معاملہ اس قدر شدت اختیار کر لیتا ہے کہ وہ اس سے بیزار ہو جاتا ہے، وہ اس کی شکست و ریخت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ پھر از سرِ نو جلوۂ حق کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ پھر کوئی بت تراش لیتا ہے۔ پھر بت شکنی کر ڈالتا ہے۔

تراشیدم، پرستیدم، شکستم

عقل و وجدانی کا سفر تلاش و جستجو توقیر و تقدیس اور پھر شکست و ریخت کی صورت میں جاری رہتا ہے۔

یہ معاملہ افراد کی زندگی میں بھی جاری رہتا ہے۔ اور اقوام کی زندگی میں بھی جاری رہتا ہے۔

جوں نظر قرار گیرد بہ نگار خوب روئے
تپد آن زماں دل من پئے خوب تر نگارے
نہ شرر ستارہ جویم نے ستارہ افتا بے
سر منزلے نہ دارم کہ بمیرم از قرارے

حقیقت کبریٰ کے بہت سارے رخ اور بہت سارے پہلو ہیں۔ احادیث میں اس کے ۹۹ نام گنوائے گئے ہیں، اسمائے الٰہی کی تجلیات مختلف افراد پر متفرق انداز میں اثر ڈالتی رہتی ہیں۔ عقل وجدانی کے متوالے حقیقت کے کسی ایک پہلو سے زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ پھر ساری زندگی اسی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں اور زندگی گزار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام خیر وفلاح ہے۔

وَاللّٰہُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی (۱۳)

بعض لوگ حقیقت کبریٰ کے اس پہلو سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ وہ جود وسخا، ایثار وقربانی، خیرات وصدقات کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ کسی خارجی ترغیب و ترہیب سے بے نیاز محض جذبۂ اندروں کی بناء پر سرگرم عمل ہوتے ہیں وہ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں سرور ولذت محسوس کرتے ہیں اور نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا۔ صرف رضائے الٰہی کی خاطر یہ سب کچھ کرتے ہیں، جب اردگرد کی دنیا زرپرستی اور منفعت واغراض کے پیچھے بگٹٹ دوڑی چلی جارہی ہیں یہ سود وزیاں سے آزاد اپنی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ وہ ظاہر سے بیگانہ اور باطن کے طلب گار ہیں طمانیتِ قلب انہیں درکار ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں (۱۴)

بعض لوگوں میں تقرب حقیقت کبریٰ کا داعیہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ وہ اس نیرنگ خانہ رنگ وبو کے پس پردہ حقیقت تک رسائی چاہتے ہیں۔ اس کی تلاش میں وہ سرگرداں ہو جاتے ہیں۔

os|Alser

اس راہ میں ہر قسم کی ریاضت و مشقت اختیار کرتے ہیں۔ترک دنیا کرتے ہیں، بنوں اور جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔یہ جوگی، سنیاسی، درویش وقلندر سب اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، کوئی دور کوئی زمانہ اس قسم کے افراد کے وجود سے خالی نہیں ہے۔یہاں یہ بات زیر بحث نہیں ہے کہ ان جھمیلوں میں مبتلا ہو کر کیا حق تک رسائی ہوئی یا نہیں۔بلکہ زیر گفتگو وہ جذبہ ہے جو ان کو سرگرم عمل رکھتا ہے وہ ہے جاذبہ حق،

فنونِ لطیفہ

ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال (۱۵)

مذہب کے بعد عقل وجدانی کا سب سے زیادہ اظہار فنون لطیفہ کے میدان میں ہوا ہے۔

حقیقی انسان کی سرگرمیاں عقل وجدانی کی کارگزاریاں ہیں۔عقل وجدانی جن مختلف طریقوں سے اظہار کرتی ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور و معروف طریقہ فنون لطیفہ کا میدان ہے۔فنون لطیفہ میں اور دوسرے علوم میں جو فرق ہے وہ ایک مرتبہ واضح کر لینا چاہئے۔سارے علوم عقل استدلالی کے پیدا کردہ ہیں وہ ''کیا ہے'' سے بحث کرتے ہیں۔فلسفے کی زبان میں ان کو مثبت Positive علوم کہتے ہیں۔یہ سائنس، آرٹ، معاشیات، سیاسیات وغیرہ وغیرہ۔فنون لطیفہ عقل وجدانی کے پیدا کردہ ہیں۔وہ ''کیا ہونا چاہئے'' سے بحث کرتے ہیں۔فلسفہ کی زبان میں ان کو معیاری Posative علوم کہتے ہیں۔یونانی فلسفیوں نے حسن و جمال، خیر و کمال اور حق صداقت کی تین اقدار کو تسلیم کیا ہے۔اس لئے ان کے یہاں معیاری علوم، جمالیات Aesthetes اخلاقیات Ethies منطق Logic ہیں۔مگر عقل وجدانی کے مظاہرات ان کے علاوہ بھی ہیں۔شعر وادب، نغمہ وموسیقی، مصوری وتعمیر بھی عقل وجدانی کے بہت مشہور و معروف مظاہرات ہیں۔جن کو ساری دنیا نے تسلیم کیا ہے۔

بہر کیف فنون لطیفہ کی مشترک خصوصیت ان کا معیاری ہونا ہے۔یہ ''کیا ہونا چاہئے، سے بحث کرتے ہیں۔فنون بیانیہ علوم سے بالکل مختلف ہیں۔شاید یہی وجہ تھی کہ جاہلی دور میں اہل

عرب شاعروں کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے کہ ان کے اندر کوئی جن بولتا ہے۔ وہ ان کے کلام کو عام انداز گفتگو سے مختلف پاتے تھے۔ فنونِ لطیفہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ عقل وجدانی، بہر انگ وبہر طور حقیقت کبریٰ سے تقرب، تعلق اور شناسائی قائم کرنا چاہتی ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل اس بات کا ادراک کر لینا چاہئے کہ عقل وجدانی کو اپنا اظہار کرنے میں چند مشکلات اور رکاوٹوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اس لئے یہاں تفہیم میں اغلاط کی، غلط فہمیوں کی اور اختلافات کی خاصی گنجائش رہتی ہے۔

مادی دنیا کی تسخیر اور مادی جسم کے تقاضے پورے کرنے میں عقل حسی اور عقل استدلالی پیش پیش ہوتی ہے۔ انسانی زندگی میں عقل استدلالی کو غیر معمولی غلبہ حاصل ہے۔ اس غلبے کا یہ عالم ہے کہ خارج میں جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ عقل استدلالی کی حدود وقیود کے تحت ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی تصور ہو کوئی خیال ہو، جب نہاں خانہ دل سے عالم ظہور میں آتا ہے خواہ زبان سے ادا ہو یا قلم سے تحریر ہو، ظاہر ہوتے ہی گویا وہ عقل استدلال کی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ اب منطق اور قیاس کے تمام قواعد وضوابط کی اس کو پابندی اختیار کرنا پڑے گی۔ ہر خیال اور ہر فکر کی تشکیل تعبیر اور تشریح قواعد نحو اور قواعد منطق کے مطابق کرنا پڑے گی۔ عالمِ امر کے معاملات ہوں، یا حقائق بسیطہ کا بیان ہو، بہر کیف منطق اور نحو کی چھلنی سے گزر کر ہی وہ سامنے آسکتا ہے۔ اس کے بعد ہی وہ دوسرے انسانوں کے لئے قابل فہم بن سکتا ہے۔ اس تحویل وانتقال میں غلطیاں سرزد ہونے کا امکان باقی رہتا ہے۔ تعبیرات اور تفسیرات میں فرد کے مبلغ علم اور فرد کے اظہار بیان کو کافی دخل رہتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تشبیہات اور مثالوں سے بات کرنا پڑتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حق کے ساتھ باطل یا غیر ضروری اجزا بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود قائل اس آمیزش سے بے خبر رہتا ہے۔

مبلغ علم

ایک بہت اہم چیز جو اس تحویل وانتقال پر اثر انداز ہوتی ہے وہ انسان کا مبلغ علم ہے اس

L.y mar
os\Alser

کی شخصیت ہے۔ ہر فرد جو اس دنیا میں پیدا ہوا ہے وہ ایک انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔ عقل وفہم، علم و عمل، عزم و ارادہ کا ایک خاص انداز اور ایک خاص مرتبہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی انفرادیت تین اجزاء سے متشکل ہوتی ہے۔ کچھ صلاحیتیں اور قابلیتیں تو ایک فرد کو اپنے والدین سے اور اپنے اسلاف سے ورثے میں ملتی ہیں۔ یہ نسلی خصائص ہیں جو خون کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں۔ ان کو موروثی یا طبعی خصائص کہتے ہیں۔ کچھ قابلیتیں اور صلاحیتیں انسان کو تعلیم کے ذریعے استادوں سے اور معاشرے سے ملتی ہیں۔ یہ اکتسابی خصائص کہلاتی ہیں۔ پھر انسان خود بھی کوئی بے جان بے ارادہ منفعل مشین نہیں ہے۔ وہ صاحب علم ہے صاحب ارادہ ہے۔ تاثیر اور تاثر کا ایک سلسلہ اس کی اپنی ذات کے اندر جاری رہتا ہے۔ اس تصادم، تعامل اور توافق وامتزاج سے نئی صلاحیتیں اس کے اندر نشو ونما پاتی رہتی ہیں۔ یہ اختراعی خصائص کہلاتی ہیں۔ ان تینوں خصائص کے مرکب آمیزے سے انسان کی شخصیت اور ذہنیت تشکیل پاتی ہے۔ یہ اس کی خاص انفرادیت ہے۔ قرآن مجید کبھی اس کو شاکلہ کہتا ہے۔ کبھی مبلغ علم سے تعبیر کرتا ہے، اللہ فرماتا ہے۔

قل كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ
اَهْدٰى سَبِيْلًا ۧ (۱۶)

ہر ایک اپنے طریقے (شاکلہ اپنی شخصیت) پر عمل کر رہا ہے۔ اب یہ
تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ سیدھی راہ پر کون ہے۔

جیسے ایک فرد کی انفرادیت ہوتی ہے اسی طرح ایک قوم کی بھی انفرادیت ہوتی ہے۔ افراد اور اقوام کے درمیان فرق اسی شاکلہ اور مبلغ علم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ عقل وجدانی جب اپنا اظہار کرتی ہے تو قومی انفرادیت اور انفرادی شخصیت کے دوگونہ عوامل کی رنگ آمیزی کے بعد کرتی ہے۔

نظریۂ حیات

ایک اہم عامل جو عقل وجدانی کی کارکردگی کو بالکل نیا رنگ وروپ دیدیتا ہے وہ اس گروہ یا قوم کا مخصوص نظامِ عقائد ہوتا ہے۔جس کو جدید زبان میں نظریہ حیات Ideology کہتے ہیں۔اس میں اس قوم کے معتقدات اور اساسی تصورات شامل ہیں۔یہ اساسی تصورات اس قوم کے عقائد ومذہب،تہذیب وثقافت کے رگ وریشے میں رچے بسے ہوتے ہیں۔زندگی کا کوئی مظہر،فکرو عمل کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہوتا جس پر اساسی تصورات کی چھاپ نہ ہو۔اس لئے ہر فرد کی شخصیت ان اساسی تصورات میں رنگی ہوئی ہوتی ہے۔اس لئے عقل وجدانی جب اظہار کرے گی تو اسی رنگ میں کرے گی۔

حقیقت کبریٰ سے قرب

عقل وجدانی کی اصل کوشش حقیقت کبریٰ سے قرب حاصل کرنا ہے۔وہ اس کی مدح، توصیف،تعریف،حمد وثنا،دعا والتجا اور مناجات میں مشغول رہ کر راحت وسرور اور لذت کی وہ کیفیات حاصل کرنا چاہتی ہے جو کسی اور طرح اس کو حاصل نہیں ہوسکتی۔جس سے اس کی روح کے اضطراب میں کمی واقع ہوتی ہے۔اس کو سکون وراحت حاصل ہوتی ہے۔

مگر عقل تخلیقی یا وجدانی عقل استدلالی کے محیط سے باہر نہیں جاسکتی۔عقل وجدانی کی یافت اور ادراک کو لباس عقل استدلالی پہناتی ہے۔جو اس قوم کے مخصوص مبلغ علم اور انفرادیت کے تحت تیار ہوتا ہے۔مثلاً ایک گروہ نے حقیقت کبریٰ کا عکس جلال میں دیکھا۔عقل قیاسی نے جلال کی تعبیر آتش سے کی اور آتش پرستی شروع کردی،دوسرے گروہ کی عقل نے اسی جلال کی تعبیر آفتاب سے کی اور آفتاب پرستی شروع کردی۔تیسرے گروہ نے اس کا عکس جمال میں دیکھا اور مہتاب پرستی شروع کردی۔کسی نے اس کے حسن وجمال کی شبیہ تیار کرنے کی کوشش کی اور بت گری مجسمہ سازی شروع کردی۔کسی نے اس کی بے نیازی اور بے ہمتائی اور بے مثالی پر توجہ مرکوز کردی،ہر چیز ترک کردی۔چار ابرو کا صفایا کرڈالا۔قلندرانہ روش اختیار کرلی۔

عقل استدلالی نے مختلف معاشروں میں اور مختلف قوموں میں حقیقت کبریٰ کا عرفان مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔اس وجہ سے اظہار بیان میں اور تعبیروں میں بے حد اختلافات پیدا

ہو گئے۔حقیقت کبریٰ کی تقدیس وتوصیف ہر قوم نے کی ہے۔مگر اپنی مخصوص انفرادیت کے آئینہ خانہ میں بیٹھ کر کی ہے۔اسی وجہ سے مختلف اقوام میں فنون کی آبیاری مختلف انداز میں ہوئی ہے۔قوموں کے درمیان کسی فن پارے کی قدر وقیمت متعین کرنے کا معیار یہ رہا ہے کہ اس کے ذریعے حقیقت کی کس قدر خدمت وتقدیس کی گئی۔رد وقبول کا بس ایک یہی پیمانہ ہے۔

ہندو

ہند قوم کے ذہن نے حقیقت کبریٰ کو متشکل دیکھنے کی کوشش کی ہے ۔

خوگر پیکر محسوس ہے انسان کی نظر

اقبال کا یہ خیال ہندو اور یونانی قوم کے متعلق بالکل صحیح ہے۔حقیقت کبریٰ کے مختلف جلووں کو دیوی اور دیوتاؤں کے روپ میں تقسیم کیا اور پھر ان کو محفوظ کرنے کے لئے ان کی شبیہ پتھر کی بنا ڈالیں۔وہ کہتے ہیں کہ اصل مقصود تو حقیقت کبریٰ ہے۔توجہ کو مرکوز کرنے کے لئے ہم نے بت بنا لئے ہیں۔یہی رائے ہے جو البیرونی نے اور ابوالفضل نے اور حال میں ڈاکٹر رادھا کرشن نے بت پرستی کے جواز میں پیش کی ہے۔بہر کیف بت پرستی، بت تراشی مجسمہ سازی میں پھر ہندو ذہن نے اپنی قوت اختراع کا خوب خوب ثبوت دیا ہے۔نہ ان کے معبودوں کی تعداد متعین ہے اور نہ بتوں کی تعداد متعین ہے۔ان بتوں کے رکھنے کے لئے مندر تعمیر ہوئے۔مندر بہت بعد میں تعمیر ہوئے ہیں۔اس وجہ سے فن تعمیر نے یہاں زیادہ فروغ حاصل نہیں کیا۔بتوں کے سامنے پجاری بھجن گاتے تھے۔اس طرح گائیری سے موسیقی پیدا ہوئی۔فن موسیقی میں بھی ہندو ذہن نے خوب کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔غرض کہ ان کے فنون لطیفہ کا تعلق ان کے مخصوص تصور حقیقت سے ہے۔یہ تمام فنون مذہبی جذبے کی تسکین کے لئے اور حقیقت کبریٰ کی تقدیس کے لئے وجود میں آئے ہیں۔

مسیحی

مسیحی دینیات میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے دو واقعات بے حد اہم ہیں،

حضرت مسیح کا بغیر باپ کے تولد ہونا اور دوسرا ان کو پھانسی پر چڑھایا جانا۔مسیحی فن کاروں نے حضرت مسیح کی زندگی کے ان دو واقعات کی تصویریں بنائیں۔مجسمے بنائے۔نئے نئے انداز اختیار کئے گئے۔بہترین تصویر ان کے یہاں وہ ہے جس میں حضرت مریم اپنے نومولود بچے کو لئے کھڑی ہیں اور دوسری بہترین تصویر وہ ہے جس میں حضرت مسیح کو صلیب پر دکھایا گیا ہے۔یونانی فن کاروں کا فن مجسمہ سازی ان کے یہاں نفوذ کر چکا تھا۔انہوں نے اس فن کو حضرت مسیح کی تقدیس کے لئے استعمال کیا۔بڑے بڑے مصور اور مجسمہ ساز پیدا ہوئے۔

مسلمان

مسلمانوں میں ذات الوہیت حقیقت کبریٰ وراءالوراء رہے۔براہ راست کسی نوع سے اس کے ساتھ تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔البتہ اس سے قرب حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔رسول اللہ ﷺ، کلام اللہ اور بیت اللہ۔مسلمانوں کے فنون لطیفہ ان ہی تینوں کے گرد گھومتے ہیں۔اسلام کا تصور توحید بہت نکھرا ہوا ہے۔یہاں شبیہ سازی کو سختی سے منع کر دیا گیا، اللہ کی توصیف و تقدیس کے لئے حمد کی صنف وجود میں آئی۔مسلمانوں کی کوئی زبان اور بولی ایسی نہیں ہے۔جس میں حمد نہ لکھی گئی ہوں اور نہ لکھی جاتی ہوں۔دعائیں اور مناجات بھی لکھی گئیں۔اس صنف میں وہ دنیا کی تمام قوموں سے بڑھ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فطرتِ انسانی کا خالق ہے، انسانی فطرت اور مزاج کا شناسا ہے، اس کو انسان کی کمزوری کا علم ہے، اسکی طبیعت اور جبلت کا تقاضا حسی وابستگی ہے، جس سے انسان اپنا قلبی تعلق جوڑے، اس کمزوری کا خیال رکھتے ہوئے اس نے حسی دنیا میں دل بستگی کے لئے تین مظاہرات کو اپنی ذات سے نسبت قائم کرنے کی اجازت دی ہے، ۱-رسول اللہ ﷺ، ۲-کلام اللہ، ۳-بیت اللہ،

وہ ہستی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کر لیا، جن کا وحی اور جبرئیل کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم ہے۔

رسول اللہ

وہ ہستی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب کیا، جس کا وحی اور جبرئیلؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے کہ!

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۱۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو
تم اللہ سے محبت کرنے لگو گے۔

مسلمانوں نے اس قدر نعتیں لکھی ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ نہ ہندوؤں میں نہ عیسائیوں میں نعت گوئی سے کوئی واقف ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کا خاص امتیاز ہے، رسول کا سراپا، ان کی سیرت اور مختلف واقعات زندگی پر بھی شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ ہندوؤں میں بھگتی تحریک کے تحت مخصوص قسم کی شاعری مسلمانوں کی آمد کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئی ہے۔ اسلام سے متاثر ہو کر یہ وجود میں آئی ہے۔

کلام اللہ

اللہ کا کلام، جس کا پڑھنا، اس سے محبت کرنا، اس سے دل بستگی پیدا کرنا درحقیقت اللہ سے محبت اور وابستگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ (۱۸)

یہ قرآن بذریعہ وحی میری طرف بھیجا گیا ہے تا کہ میں تمہیں اور جس
جس کو یہ پہنچے ان سب کو متنبہ کر دوں۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرا کلام پڑھا کرو۔ (۱۹) یوں تو کوئی مسلمان ہو خواندہ یا ناخواندہ ہو، قرآن مجید ضرور پڑھتا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید پڑھنے کا مخصوص فن ایجاد کیا۔ جس کو قرأت اور تجوید کہتے ہیں۔ جس طرح ہر ملک اور ہر زمانے میں حافظ ہوتے ہیں اسی طرح قاری اور مجود ہوتے ہیں۔

کلام اللہ کو حفظ کرنا بھی خاص مسلمانوں کا امتیازی وصف ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اپنی

کتاب کی حافظ نہیں ہے۔کلام کے لکھنے سے ایک اور فن وجود میں آیا،جس کو حسن خط یا خطاطی کہتے ہیں۔عربی خط کو انہوں نے کئی کئی طریقوں سے لکھا،خط نسخ،خط ثلث،رقاع،توقیع،نستعلیق۔پھر قرآن مجید کی تزئین و آرائش پر غیر معمولی محنت کی۔یہ فن کے نادر نمونے دنیا کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔تزئین اور تحسین خط کے معاملے میں کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔آج بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ تیموریانِ ہرات نے خطاطی،مصوری،تزئین و آرائش اور تعمیر میں جو بلندترین مقام حاصل کیا تھا۔اس کو حاصل کرنے کے لئے دہلی کے مغل،اصفہان کے صفوی،قسطنطنیہ کے عثمانی اور بخارا کے ازبک ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

نہ ہوا پہ نہ ہوا میر کا انداز نصیب
زور یاروں نے بہت ذوق غزل میں مارا

عالم اسلام میں فن کے دو نمونے نادرہ روزگار شمار ہوتے ہیں۔فن تعمیر میں مسجد گوہر شاد مشہد میں اور فن خطاطی میں شاہنامہ فردوسی، یہ دونوں فن پارے جو بایسنغر مرزا تیموری (۸۰۳-۸۳۷) گورنر ہرات کے زمانہ میں تیار ہوئے تھے۔یہ شاہنامہ ترکی میں موجود ہے۔

بیت اللہ

بیت اللہ تعلق باللہ اور تقرب الی اللہ کا مظہر ہے،اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ بیت اللہ کعبہ شریف مکہ مکرمہ میں میرا گھر ہے۔اس پاک گھر میں عبادت کرو۔　　اور اس کا طواف کرو۔ نماز میں اس کی جانب رخ کرو۔

حجر اسود کو بوسہ دینا اعمالِ طواف میں شامل ہے۔اس کے متعلق حضور ﷺ نے صراحت فرمائی ہے کہ!

الحجر الاسود یمین اللّٰہ علی الارض (۲۰)

حجر اسود زمین پر اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔

مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے گئے تو وہاں آپ نے مسجد تعمیر فرمائی۔اس کے بعد جہاں جہاں مسلمان گئے مسجد کا بنانا ضروری تھا۔یہ اللہ کا گھر ہے۔مسجدوں کی

تعمیر تزئین اور آرائش پر مسلمانوں نے بے اندازہ محنت صرف کی ہے۔ مسلمانوں کے یہاں فن تعمیر کے بہترین نمونے مساجد، مثلاً مسجد قرطبہ، جامعہ اموی، جامع سلطان احمد (ترکی) جامع اصفہان۔ جامع مسجد دہلی وغیرہ ہیں۔

اس جہت سے مسلمانوں میں فن تعمیر نے فروغ پایا۔ اس کے بعد فن کے دوسرے شاہکار بھی وجود میں آئے۔ ہر تہذیب میں فنون لطیفہ کا آغاز، ترقی اور فروغ مذہبی جذبہ تقدیس وتکریم الوہیت کے رہن منت ہے۔ عرفان حقیقت کا شعور انسان کو تقرب حقیقت کی طرف آمادہ کر دیتا ہے۔ تقرب حقیقت کا جذبہ انسان کے اندر تخلیقی قوتوں کو بیدار کرتا ہے۔ ان کو جلا بخشتا ہے۔ ان کو فروغ دیتا ہے۔ اس لئے فنون لطیفہ کا ظہور حقیقت کبریٰ کی تقدیس اور تکریم کے باعث ہوا ہے۔ کوئی قوم ہو کوئی تہذیب سب کے یہاں یہی طریقہ کار رہا ہے۔

مظاہرات

حقیقت کبریٰ کا مخصوص ادراک اور تہذیب کے مخصوص تصورات کی چھاپ اس تہذیب کے فن پاروں پر نمایاں نظر آتی ہے۔ لوح وقلم ہو یا سنگ خشت دونوں اپنے فن کاروں کے قلبی عقائد اور اندرونی جذبات کا زبان فن سے اظہار کرتے ہیں، انسان اگر ذوق لطیف اور قلب شنوا سے محروم نہ ہو تو ان فن پاروں کی صدا غیر مفہوم نہیں ہوتی۔ ہندوؤں کے بت کدوں پر نظر ڈالئے۔ اجنتا کی غاریں ہوں یا سارناتھ کا مندر، تیرہ وتار کمرے، نہایت تنگ، کمروں میں بھول بھلیوں کا سماں، دیواروں پر تہ بہ تہ خارجی اضافے۔ جن کے باعث دیواریں موٹی اور بھدی ہو گئیں۔ یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ہندوؤں کے یہاں حقیقت کا تصور تنگ وتاریک ہے۔ اس کے مختلف اجزا کے مابین کوئی منطقی ربط نہیں ہے۔ تہ بہ تہ تصورات کے اضافے ان پر ہوتے آئے ہیں۔ ان میں نہ وحدت فکر ہے نہ سادگی ہے نہ یہ مربوط ہیں۔

اب ذرا ایک نظر جامع مسجد دہلی پر ڈالئے۔ تعمیر میں جلال وجمال ہے۔ توازن وتناسب ہے سادگی اور سبک پن ہے۔ وسعت وپہنائی ہے۔ رفعت وبلندی ہے۔ سنگین مستحکم عمارت ہے مگر حسین دلکش اور جاذب نظر ہے۔ مسجد پر غور کرنے سے اسلامی تصور حقیقت کے اجزا ابھر کر ذہن میں

آ جاتے ہیں۔ یہاں ان میں خالص توحید ہے۔ عظمت و کبریائی ہے۔ جمال وجلال ہے۔ لطافت و نفاست ہے۔ علو ورفعت ہے۔ وسعت و پہنائی ہے۔ صفات حسنہ کا ایک مرقع ہے۔ گویا ان صفات نے مجسم شکل اختیار کر لی ہے۔ سنگ وخشت کی تعمیر میں حقیقت کے مختلف تصورات اور پہلوؤں کو اس عمدگی اور خوبصورتی سے سمو دیا گیا ہے کہ دیکھ کر عقل مبہوت ہو جاتی ہے۔ دنگ رہ جاتی ہے اور زبان پر بے ساختہ اللہ اکبر کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔ کس قدر ریختہ عقیدہ کے مالک تھے وہ لوگ جن کے ذہن کا عکس ان کی تعمیر میں جلوہ ریز ہے۔ جنہوں نے اپنی قلبی کیفیات کو سنگ و گچ پر ثبت کر دیا اور انہیں دوام بخش دیا۔

پرانی دہلی میں نا تمام مسجد قوت الاسلام کا ایک مینارہ۔ قطب مینار۔ دیکھئے یہ سات منزلہ عمارت تھی اب صرف پانچ منزلیں باقی رہ گئیں ہیں۔ نا تمام محراب اور دوسرے مینارے کا ایک حصہ ابھی تک کھڑا ہے۔ یہ مینار صد درجہ سنگین و مستحکم اور ضخیم عمارت ہے جو کوہ تمثال سینہ تیقی پر کھڑی ہے۔ زمانہ کی دست برد اور لیل ونہار کی کہنگی کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ ایک مینار کی یہ سنگینی و استحکام اور یہ عظمت و شوکت ہے تو مکمل عمارت کس قدر پرشکوہ اور پر عظمت ہوتی؟ اس عمارت کو دیکھ کر قوت و استحکام، عظمت و شوکت، علوو رفعت، بے نیازی اور ماورائیت کے تصورات ذہن میں اجاگر ہوتے ہیں۔ جو اسلامی تصور حقیقت کے اجزاء ہیں۔ جب اس جانب توجہ جاتی ہے کہ یہ عمارت فتح دہلی کے چند سال بعد ہی تعمیر ہونی شروع ہو گئی تھی ایسی عمارت جس پر کئی عشرے گزر جائیں گے تو اولین فاتحین کے دل میں موجزن جذبات اولوالعزمی، بے خوفی اور راسخ الایمانی کی تصویر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ وہ چند ہزار افراد تھے جو وطن سے تین ہزار میل دور اور مفتوح ملک میں، لاکھوں بلکہ کروڑوں دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کو کسی قسم کا خوف نہیں کوئی اندیشہ نہیں۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے، خونِ جگر سے نمود

اسلامی فن تعمیر کی یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے ترجمان حقیقت علامہ اقبال

فرماتے ہیں!

> جہاں تک اسلام کی ثقافتی تاریخ کا تعلق ہے،تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر فن تعمیر کی واحد استثنائی مثال سے صرف نظر کرلیا جائے، تو فی الحقیقت اسلامی آرٹ (موسیقی، مصوری، بلکہ شاعری بھی) کو ابھی وجود میں آنا باقی ہے، ایسا فن جو "تخلقوا باخلاق اللہ" کے تحت بندے کو مولد صفات بنا دے، اور "اجر غیر ممنون" کے تحت بندہ کو بیکراں وجدان کا حامل بنا دے اور دنیا میں اس کو نیابت الٰہی کے منصب پر سرفراز کرادے۔
>
> مقام آدم خاکی نہاد دریا بند
> مسافر ان حرم را خدا دہد توفیق (۲۱)

فکری مدار

دینی روایات ایک مسلمان کے لئے وہ ذہنی فضا اور فکری مدار، مبلغ علم فراہم کرتی ہیں جس کے اندر ایک مسلمان گزر بسر کرتا ہے۔ اور اسی مدار میں اپنی جولانی طبع کا اظہار کرتی ہیں۔ اسلام کا تصور حقیقت دینی روایات کی صورت میں محفوظ ہے۔ وہ اسلامی تہذیب کے ایک ایک پہلو اور ایک ایک گوشہ کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ انفرادی سطح ہو یا اجتماعی سطح ہر مسلمان انہی روایات کے دائرے میں گھومتا ہے۔ اگر کہیں روایات سے انحراف نظر آتا ہے تو گویا کوتاہی عمل کا اظہار ہو رہا ہے۔ اس کا باعث قصور فہم ہے یا جہالت ہے یا پھر غفلت وخود رائی کا کرشمہ ہے۔ تصور حقیقت یا اقدار حیات سے سرکشی یا بغاوت نہیں ہے۔ غفلت کے اثرات زائل ہوجانے کے بعد بسا اوقات وہ فرد نادم اور شرمسار ہوتا ہے اور اس طرح اقدار عالیہ کا رشتہ پھر مستحکم ہوجاتا ہے۔

فن کا اظہار بلاشبہ اپنے سرچشمے کے لحاظ سے انفرادی ہے۔ لیکن تخاطب اور اثر آفرینی کے لحاظ سے اجتماعی اور عوامی ہے۔ فن کے اثرات سارے معاشرے پر پڑتے ہیں، معاشرے کو توانا اور صحت مند رکھنے کے لئے اس کو ہر قسم کے اثرات بد سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایسا فن جو

ios\Alser

معاشرے کے نظریۂ حیات کو اور معاشرے کی قوتِ حیات کو کمزور اور مُضمحل بناتا ہو، اس کو پھلنے پھولنے کی کھلی چھٹی دیدینا معاشرہ کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے اور اس پر پابندی عائد کرنا معاشرے کی محبت کا تقاضا ہے۔ کسی فرد کو یہ آزادی ہرگز نہیں دی جاسکتی کہ وہ معاشرے کی بنیادوں پر تیشہ زنی کی مشق کرے۔ یہی باعث ہے کہ اسلام کی برپا کردہ تہذیب فنونِ لطیفہ کو مقصدِ حیات کے تحت رکھتی ہے۔ اس کے فروغ پانے کو اسلامی تصورِ حقیقت سے موافقت اور ہم آہنگی کی لازمی شرط قرار دیتی ہے۔

اسلامی فنونِ لطیفہ ظاہر سے زیادہ باطن پر زور دیتے ہیں۔ صورت سے زیادہ حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ وہ محسوسات کے مقابلے میں معقولات کو اہمیت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حکیم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بے کار، لایعنی اور لغو افعال سے پاک ہے۔ اس لئے اسلامی فنونِ لطیفہ نے کبھی ایسے فن پارے تخلیق نہیں کئے جو بذاتِ خود تو لغو اور بیکار ہوں مگر ندرت کا ان سے ظہور ہو جیسا کہ دوسری تہذیبوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اسلامی فن پارے مفید اور کارآمد آشیا سے متعلق رہے ہیں۔ اسلام کے خالص تصورِ توحید میں شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے بت تراشی، مجسمہ سازی اور مصوری اسلامی فنون میں راہ نہ پاسکے۔ سقوطِ بغداد کے بعد جب تاتاریوں اور چینیوں کے اثرات پڑنے لگے تب درباروں میں مصوری نے بار پایا۔ مگر یہ فن عام مسلمانوں میں مقبول نہ ہوسکا۔

اسلام کسی خطے سے وابستہ نہیں ہے۔ اسلامی تہذیب زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہے۔ وہ ایک آفاقی اور عالمگیر تہذیب وثقافت ہے۔ وہ ایک مخصوص تصورِ حقیقت کی معتقد اور چند اعلیٰ اقدارِ حیات کی حامل ہے۔ مسلمان جن جن ملکوں میں گئے، جو جو مصالحہ اور سامان وہاں میسر آیا اسی کو اختیار کیا۔ البتہ فن پاروں میں انہوں ں نے اپنی اعلیٰ اقدار کو داخل کردیا۔ وہاں فن کو پستی سے نکال کر رفعت اور لطافت عطا کی۔ اسلامی تہذیب وثقافت میں باوجود تنوع اور نیرنگی کے وحدت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ صحرائے ترکستان سے لے کر صحرائے اعظم تک اسلامی تہذیبی اور ثقافتی عناصر یکساں ہیں۔ یہ وحدت ان کے فن پاروں میں بھی جلوہ ریز ہے۔ وحدت اسلامی تصورِ حقیقت

سے منعکس ہو کر آئی ہے۔

اشتغال عبادت

فنون لطیفہ میں اشتغال ایک مسلمان کے لئے عبادت سے کم نہیں ہے۔ایران کا مشہور خطاط بابا شاہ اصفہانی ۹۹۶ھ لکھتا ہے!

> یہ فقیر حسن اتفاق سے خط نستعلیق کے مطالعے میں مشغول تھا۔ایسا محسوس ہوا کہ گویا مطالعہ خط کے دوران شاہد حقیقی کے جمال کے انوار کی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھا۔(۲۲)

غبار راہ کو بخشا گیا ہے ذوق جمال
خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے(۲۳)

معنوی حسن و جمال

اسلامی تہذیب کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مادی حسن و جمال کے نمونوں کے ساتھ معنوی حسن و جمال کے انسانی مرقعے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان حسن کے پیکروں میں مادی فن پاروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر جذب وکشش ہوتی ہے۔جب اردگرد کی دنیا میں، بدمزاجی وآوارگی،خودغرضی ومفاد پرستی، انانیت وخودرائی متلون مزاجی ووقت پرستی،تشدد وتظلم کے وحشت ناک اور بہیمانہ مناظر کا سلسلہ جاری ہو،وہاں کسی ''مرد جلیل وجمیل'' کا وجود قدرت خداوندی کی بہت بڑی فیاضی ہے۔طیب وطاہر،سادہ وقانع،معتدل ومتوازن،متقی وپرہیزگار، صاحب حسن اخلاق وحسن کردار،ہمدرد وخیرخواہ،صفات حسنہ کے حامل انسانی پیکر درحقیقت درخشندہ لعل وجواہر سے بھی بڑھ کر ہوئے ہیں۔سب سے اشرف اور سب سے اعلیٰ پیکر جمیل تو حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے۔جس کو خود خالق کائنات نے تمام نوع انسانی کے لئے حسین نمونہ قرار دیا ہے۔

پھر جو شخص جس قدر اس پیکر نور وجمال سے قربت حاصل کرتا گیا اور اکتساب نور کرتا گیا،

اسی قدر خود بھی حسن و جمال کے سانچے میں ڈھلتا گیا۔ عہد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے دور سعادت سے لے کر قریبی عہد تک حسن معنوی کے ایسے مرقع مسلمان معاشرے میں دیکھنے کو مل جاتے تھے۔ حسن معنوی میں حسن ظاہری سے بھی بڑھ کر مقناطیسی کشش ہوتی ہے۔ یہ حسین پیکر اور جمیل مرقعے تھے کہ جس بستی میں چلے گئے، بستی کی بستی ان کی گرویدہ بن گئی۔ ان پر ایمان لے آئی۔ ان کی نگاہ کیمیا اثر قلوب کو مسخر کر لیتی تھیں۔ اسلام کی اشاعت انہی درخشندہ رو اور درخشندہ خو بزرگوں کی رہن منت ہے۔

آناں کہ بہ نظر خاک را کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

حوالہ جات

۱۔ سورۂ سجدہ، آیت ۷-۹!
۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۰،
۳۔ سورۂ شمس، آیت ۷-۸،
۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۱،
۵۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲،
۶۔ سورۂ قٓ، آیت ۶-۸،
۷۔ تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، سورۂ ق بذیل، آیت ۸
۸۔ سورۂ دہر آیت ۱۱-۲۲،
۹۔ صحیح مسلم، ج ۱/ص ۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۹۸ء،
۱۰۔ جامع ترمذی، ج ۴/ص ۳۶۵، دارالفکر، بیروت ۹۴ء،
۱۱۔ سورۂ کہف، آیت ۷،

۱۲۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۶۵،

۱۳۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۷۳،

۱۴۔ کروبیاں، فرشتے،

۱۵۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۹،

۱۶۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۸۴،

۱۷۔ سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۱،

۱۸۔ سورۂ انعام، آیت ۱۹،

۱۹۔ سورۂ مزمل، آیت ۲۰، (فاقرءوا ماتیسر من القرآن)

۲۰۔ کنزل العمال علی متقی الہندی، رقم الحدیث ۴۴۳۴۷، التراث الاسلامی بیروت،

۲۱۔ مرقع غالب، از عبدالرحمٰن چغتائی، مقدمہ از علامہ اقبال ۱۹۲۸ء،

۲۲۔ رسالہ آداب العشق، مخزونہ جامعہ پنجاب، مقالات مولوی محمد شفیع، ج ۱/ص ۳۴۷، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء،

۲۳۔ خرد سے مراد یہاں عقلِ استدلالی ہے۔